وزیر اعظم لیاقت علی خان کا قتل

سید محمد ذوالقرنین زیدی

''لاہور 15 اکتوبر 1951ء کو دوپہر گورنر پنجاب سردار عبدالرب نشتر کو ایک گمنام خط موصول ہوا جس کو پڑھ کر سردار صاحب بڑے پریشان ہوئے۔ اس خط میں تحریر تھا کہ لیاقت علی خاں کے قتل کی سازش ہو رہی ہے، ہو چکی ہے۔ اگر آپ اس کو بچانا چاہتے ہیں یا تو آپ اس کے ہمراہ آئیں یا دورہ (پنڈی کا) بدل دیں۔ اگر آپ ہمراہ آئے تو ایر پورٹ پر میں آپ کو ملونگا اور بتا دونگا کہ میں آپ کا آدمی ہوں اور میں نے آپ کو خط لکھا تھا۔

نشتر صاحب کہتے ہیں کہ جس وقت یہ خط آیا تو اس خط کو بذات خود لیاقت علی خاں کے پاس لیجانے کا بندوبست کیا۔ رات کے ایک بجے میں لیاقت علی خاں کے پاس پہنچا۔ اُس وقت اُن کی بیوی اُن سے جھگڑ رہی تھی کہ وہ راولپنڈی کا دورہ منسوخ کر دیں۔ میں نے ان کو وہ خط دیا جس کو پڑھ کر لیاقت علی خان نے کہا کہ نشتر! میں تو تم کو سب سے زیادہ پکا مسلمان سمجھتا تھا مگر تم تو کچے مسلمان نکلے۔ اس قسم کے بیہودہ خطوط میرے سرہانے تکیہ کے نیچے پڑے ہوئے ہیں جو گولی میرے لئے بنی ہے وہ دوسرے کو نہیں لگے گی۔ میں پاکستان کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دونگا لیکن جلسہ منسوخ نہیں کرونگا۔'' اغرضیکہ اُن ہونی ہو کر رہی اور لیاقت علی خاں نے بیگم رعنا کی التجاؤں کو ٹھکرا کر رختِ سفر باندھا۔

چلتے وقت وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اپنی اہلیہ سے فرمایا تھا کہ وہ راولپنڈی میں وہ اپنی زندگی کی اہم ترین تقریر کریں گے۔ رعنا لیاقت علی نے پوچھا ''اس میں کیا کہیں گے؟ وزیر اعظم نے فرمایا کہ ''اس تقریر میں اندرونی اور بیرونی معاملات کی حکمتِ عملی کا اعلان ہوگا۔'' [۲]

وزیر اعظم لیاقت علی خان 16 اکتوبر کی صبح کو ساڑھے گیارہ بجے چکلالہ ایربیس پر گورنر جنرل کے ہوائی جہاز 'وائی کنگ' میں پنڈی پہنچے۔ 4 بجے شام کمپنی باغ راولپنڈی کے میدان میں جلسہ عام کا انتظام کیا گیا تھا جس کا اہتمام راولپنڈی کی مسلم لیگ کی انتظامیہ نے کیا تھا۔ لیاقت علی خان کے ذاتی احکامات کی روشنی میں جلسہ گاہ میں لکڑی کا ڈائس تیار کرایا گیا۔ اسٹیج کے اُوپر کوئی شامیانہ نہیں تانا گیا تھا اور اسٹیج پر صرف وزیر اعظم کے لئے ہی ایک کرسی رکھی گئی تھی اور ایک چھوٹی میز تھی۔ اسٹیج پر وزیر اعظم تنہا بیٹھنا چاہتے تھے۔ ان کی اس خواہش کا سبب وہ خطوط تھے جو کہ ان کے مداحوں اور ان کے چاہنے والوں نے ان کو لکھے تھے کہ 'ہم

آپ کو سننے اور دیکھنے کے لئے بیتاب ہیں۔'' لیاقت علی خاں کے پاس پچیس ۲۵ تیس ۳۰ خطوط آئے کہ ہم آپ کو اکیلے ڈائس پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ اور کوئی نہ ہو، ہمیں آپ سے عشق ہے ہم آپ کو خوب دیکھنا چاہتے ہیں۔''[3] اس طرح اسٹیج کے اوپر صرف ایک مائیکروفون تھا ایک کرسی تھی اور ایک چھوٹی سی میز تھی۔

وزیراعظم لیاقت علی خاں جلسہ گاہ میں چار بجے شام پہنچے۔ تقریباً ایک لاکھ افراد سننے کے مشتاق تھے۔ تلاوتِ کلام پاک سے جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ جس کے بعد مسعود صادق صاحب نے جو کہ میونسپل کمیٹی راولپنڈی کے صدر تھے خطبہ استقبالیہ پڑھا اور ان کے بعد شیخ محمد عمر نے جو کہ سٹی مسلم لیگ کے صدر تھے وزیراعظم کو عوام سے خطاب کرنے کی دعوت دی۔

وزیراعظم کرسی سے اُٹھ کر مائیکروفون تک تشریف لائے اور ابھی ان کے منہ سے صرف 'برادرانِ ملت' کے الفاظ نکلے ہی تھے کہ اچانک دو گولیوں کے چلنے کی آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وزیراعظم لیاقت علی خان لڑکھڑا کر پیچھے کی طرف اپنی پشت پر گر پڑے۔ تمام ماحول پر ایک سناٹا سا چھا گیا، اسی اثنا میں ایک تیسری گولی کے چلنے کی آواز آئی۔ لوگوں کو احساس ہوا کہ وزیراعظم کو گولیاں لگ گئیں ہیں اور وہ زخمی ہو کر گر پڑے ہیں، لوگوں نے رونا اور چلانا شروع کر دیا کہنے لگے قائد ملت مارا گیا، فوراً ہی پولیس گارڈز نے ہوا میں گولیاں چلانی شروع کر دیں جس کے نتیجہ میں ایک بھگدڑ مچ گئی لوگ افراتفری میں جان بچانے کے لئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ایک کہرام کا عالم تھا۔

''بقول اے پی۔ پی کے نمائندے کے جو کہ عینی شاہد تھا کہ قاتل نے ابھی وزیراعظم پر گولیاں داغی ہی تھیں کہ غضبناک عوام نے حملہ آور پر یورش کر کے اس کی تکا بوٹی کر دی''[4]۔ وزیراعظم لیاقت علی خاں کو بیہوشی کے عالم میں ''مشتاق احمد گورمانی کی کار میں''[5] ڈال کر کمبائنڈ ملٹری ہسپتال لے جایا گیا۔ ''ہسپتال میں ڈاکٹر کرنل میاں اور ڈاکٹر کرنل سرور نے وزیراعظم کے جسم سے گولیاں نکالنے کی بیکار کوشش کی لیکن وہ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے''۔[6]

ہسپتال کے باہر بے تاب، روتے اور دعائیں کرتے ہوئے لوگ وزیراعظم کی خیریت کے متمنی کھڑے تھے۔ اتنے میں اپریشن تھیٹر سے باہر گورمانی صاحب تشریف لائے اور اپنے ہاتھ کے اشارہ سے دلاسہ دیکر چلے گئے۔ ان کے پیچھے کرنل میاں باہر تشریف لائے اور لوگوں سے کہا کہ ''میرا منہ بند ہے''۔[7] لیاقت علی خان شام کے وقت 4 بجکر پچاس منٹ پر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ لیاقت علی خاں کے قتل کے بعد اے۔ پی۔ پی نے یہ اطلاع دی کہ وزیراعظم لیاقت علی خاں کا قاتل ایک خاکسار ہے۔ لیکن یہ خبر بے بنیاد نکلی اور دو گھنٹوں کے بعد حکومت پاکستان نے یہ اعلان کیا کہ وزیراعظم کا قاتل ایک افغانی شخص

تھا جو کہ سیاسی پناہ گزیں تھا۔ وہ بنگال ریگولیشن ایکٹ 1818 کے مطابق ایک Detenu تھا۔ اس کا نام C.I.D کی لسٹ میں مشکوک افراد میں نہیں تھا۔ اس کے والد کا نام بابرک تھا جو کہ افغانستان کے ایک قبیلہ زدران کا سردار تھا جس کا تعلق ضلع خوست افغانستان سے تھا۔ بابرک بادشاہ امان اللہ خاں کے حمایتیوں میں شامل تھا، امان اللہ کی طرف سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ صید اکبر افغان فوج میں بریگیڈیر کے عہدے پر فائز تھا۔ وہ ایک پکا نشانہ باز شخص تھا جو اُڑتے ہوئے پرندوں کا شکار کرسکتا تھا۔ علامہ اقبال اور مولانا رومی کا بڑا شیدائی تھا۔ جنوری ۱۹۴۷ء میں اس نے ہندوستانی حکومت سے سیاسی پناہ طلب کی جو کہ انگریز حکومت نے منظور کرلی۔ صید اکبر کو، اس کی بیوی بچوں سمیت گزارہ الاؤنس منظور کیا گیا اور ایک رہائش فراہم کی گئی۔ اس طرح جنوری ۱۹۴۷ء سے وہ ایبٹ آباد میں مقیم ہوگیا۔ صید اکبر نماز اور روزہ کا پابند شخص تھا، اس کی زندگی صاف ستھری اور سادہ تھی۔

تحقیقاتی کمیشن کا قیام

حکومت پاکستان نے ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس کے سربراہ جسٹس محمد منیر تھے اختر حسین فائنشل کمشنر اس کے رکن تھے۔ اس کمیشن کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ لیاقت علی خان کے قتل کے معاملہ میں چھان بین کرے۔ تحقیقات کے دوران کمیشن نے ۳۸ نشستیں منعقد کیں جن میں ۲۳ اجلاس لاہور میں بلائے گئے اور ۱۵ اجلاس راولپنڈی میں منعقد کئے گئے۔ کمیشن نے اُن تمام افراد کو جو واقعہ کے عینی گواہ تھے یا جنہیں واقعہ کے بارے میں علم تھا، براہ راست یا بالواسطہ معلومات رکھتے تھے ان کے بیانات قلمبند کئے۔ کُل ۱۸۹ افراد کے بیان قلمبند کئے گئے۔

تمام تفتیش کے بعد تحقیقاتی کمیشن اس بات کا قطعی طور پر فیصلہ نہ کرسکا کہ آیا وزیراعظم لیاقت علی خان کا قتل صید اکبر کا ذاتی فعل تھا یا کہ کسی سازش کا نتیجہ تھا جس کا صید اکبر آلۂ کار تھا۔ اپنی تفتیش کے دوران تحقیقاتی کمیشن کو تین سازشوں کا سراغ ملا جن میں سے دو سازشیں غیر ممالک سے تعلق رکھتی تھیں اور صید اکبر کا قطعی طور پر اُن سازشوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ قومی مفاد کے پیشِ نظر اُن سازشوں کو عوام سے خفیہ رکھا گیا البتہ تیسری سازش صید اکبر سے تعلق رکھتی ہے۔ لیاقت علی خاں کو قتل کرنے کے کونسے محرکات تھے۔ کمیشن اس بات کا بھی قطعی طور پر تعین نہیں کرسکا، البتہ صید اکبر لیاقت علی خان کا قاتل ضرور تھا۔ جہاں تک صید اکبر کے محرکات کا تعلق ہے۔ اس پر کمیشن نے بحث کی ہے کہ آیا صید اکبر نے عالمِ دیوانگی میں وزیراعظم لیاقت علی کو قتل کیا۔

یا صید اکبر وزیراعظم خان لیاقت علی خان کی کشمیر پالیسی سے ناراض تھا کیونکہ لیاقت علی خاں ہندوستان کے خلاف اعلان جہاد نہیں کررہے تھے۔ یا لیاقت علی خان کا قتل صید اکبر کی مذہبی جنونیت کا نتیجہ تھا۔

تحقیقاتی کمیشن نے اُن تمام عینی شاہدوں کے بیانات اور تمام دیگر متعلقہ دستاویزات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ لیاقت علی خان کا قتل نہ تو صیدا کبر کی دیوانگی کا نتیجہ تھا کیونکہ اس کی زندگی میں اور اس کے خاندان میں دیوانگی کے کوئی آثار نہیں پائے گئے۔ بلکہ صیدا کبر ایک نہایت ہوشیار اور چالاک انسان معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی مذہبی جنونیت کیوجہ سے اس نے قتل کیا ہے۔

البتہ اگر اس نے کشمیر سے متعلق حکمت عملی پر ناراض ہو کر وزیر اعظم لیاقت علی خان کو قتل کیا تو کیا وہ توقع کرتا تھا کہ وزیر اعظم لیاقت علی خان کے ہٹ جانے سے کشمیر کے متعلق حکومت کی پالیسی بدل جائے گی اگر اس مفروضہ میں کوئی وزن ہے تو پھر اس نتیجہ پر پہنچنے میں مددگار ثابت ہوگا کہ یہ قتل صیدا کبر کا انفرادی فعل نہیں تھا بلکہ کسی ایسی سازش کا نتیجہ تھا جس کا مقصد حکومت کو تبدیل کرنا تھا۔

''اگر صیدا کبر نے لیاقت علی خاں کو اس وجہ سے قتل کیا کہ ان کے ختم ہو جانے کے بعد کشمیر کے متعلق حکومتِ پاکستان کی پالیسی تبدیل ہو جائے گی تو یہ قتل صیدا کبر کا انفرادی فعل نہیں تھا بلکہ ایک ایسی سازش کا نتیجہ تھا جسکا مقصد حکومت کی تبدیلی تھا''[۸]

مگر جب ہم اس مفروضہ پر غور کرتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کی تبدیلی سے تو صیدا کبر کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا کیونکہ وہ ایک غیر ملکی باشندہ تھا، نہ اس کا کسی سیاسی پارٹی یا گروہ سے کوئی تعلق تھا البتہ حکومت کی تبدیلی سے جو لوگ مستفیض ہوئے وہی بانیٔ سازش ہو سکتے ہیں، صیدا کبر تو محض قربانی کا بکرا بن گیا۔ لہذا اس حقیقت کی تلاش کے لئے اور سازش پر سے پردہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ اُن تمام عینی شاہدوں اور گواہوں کے بیانات کا اور متعلقہ دستاویزات کا گہرا مطالعہ کیا جائے جن کو کمیشن نے اپنی دقیق تحقیقات کے لئے استعمال کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ صیدا کبر ہی لیاقت علی خان کا قاتل ہے، تو ہو سکتا ہے کہ ہمیں اِس تحقیق اور جستجو میں ایسے حیران کن حقائق نظر آئیں جو حقیقت کا ایک نیا رُوپ پیش کر سکیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری ذہنی کاوشیں اور سچائی کی لگن، ہمیں ایک نئی تاریخی حقیقت کے ادراک سے دوچار کر دے۔ آیئے اب ہم ان چند اہم عینی شاہدوں کے تاریخی بیانات کا مطالعہ کرتے ہیں جن کو تحقیقاتی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں قلمبند کیا ہوا ہے۔

مسٹر ہارڈی کی شہادت

مسٹر ہارڈی راولپنڈی کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ دیانتدار انگریز اور سچے انسان تھے۔ وہ پہلے شخص تھے جو کہ لپک کر وزیر اعظم لیاقت علی خان کے پاس پہنچے جبکہ وزیر اعظم دو گولیوں سے زخمی ہونے کے بعد ڈائس کے اوپر کمر کے بل چت گر پڑے تھے۔

مسٹر ہارڈی نے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے جو بیان دیا اس کو مختصراً پیش کرتے ہیں۔

''جونہی وزیراعظم لیاقت علی خان کے منہ سے ''برادرانِ ملت'' کے الفاظ نکلے اُسی لمحہ پستول کی دو گولیاں یکے بعد دیگرے چلیں اور میں نے دیکھا کہ وزیراعظم ڈائس پر گر پڑے میں فوراً بھاگ کر ان کے پاس پہنچا۔اسی اثنا میں نواب صدیق علی خان جو کہ ڈائس کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے پہنچ گئے۔ میں نے دیکھا کہ وزیراعظم کو انہوں نے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔زخمی وزیراعظم کے ہونٹوں پر کلمہ جاری تھا۔اسی دوران ایک تیسری گولی کے چلنے کی آواز آئی، میں نے سر جھکا لیا اور میں وزیراعظم پر جھک گیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ زخمی ہیں۔انہوں نے انگریزی میں جواب دیا کہ وہ اپنی کمر میں بائیں طرف درد محسوس کررہے ہیں۔تقریباً 12 سیکنڈوں کے بعد ایک دم سے گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی۔ میں اس تمام عرصہ میں وزیراعظم کے اوپر جھکا رہا اور وہ کلمہ پڑھتے رہے۔ میں نے وزیراعظم کی اچکن کے بٹن کھولے اور دیکھا کہ ان کے دل کے نیچے خون کا سرخ دھبہ ہے۔غالباً اس موقعہ پر وہ بے ہوش ہو چکے تھے۔''[۹]

نواب صدیق علی خان کی گواہی

دوسرے گواہ نواب صدیق علی خان تھے جو کہ وزیراعظم لیاقت علی خان کے پولیٹکل سیکرٹری تھے۔کمیشن کے سامنے انہوں نے بیان دیا۔''وزیراعظم مائیکروفون کی طرف تشریف لے گئے اور مشکل سے ''برادرانِ ملت'' کے الفاظ ان کے منہ سے نکلے تھے جبکہ میں نے دو گولیوں کی آواز یکے بعد دیگرے سنیں۔وزیراعظم لڑکھڑائے اور کمر کے بل گر پڑے۔ میں ایک دم سے ان کی مدد کے لئے بھاگا۔اور ان کے سر کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔اس کے بعد بے تحاشہ گولیاں چلیں۔وزیراعظم کلمہ پڑھ رہے تھے۔انہوں نے اردو میں مجھ سے کہا'' مجھے گولی لگ گئی ہے۔'' خدا پاکستان کی حفاظت کرے''۔اس کے بعد وہ بیہوش ہو گئے۔[۱۰]''

اس بیان کے علاوہ نواب صدیق علی خان نے کچھ اہم باتیں اپنی کتاب میں تحریر کی ہیں۔لکھتے ہیں''میں نے انہیں آرام پہنچانے کی خاطر شیروانی کے بٹن کھول دئے اور ریشمی قمیض کو الٹ کر دیکھا تو بائیں طرف پسلیوں کے وسط میں دو انچ قطر میں چنے برابر دو نشان اوپر نیچے ایک ہی سیدھ میں نظر آئے جن کے منہ پر کچھ خون دکھائی دے رہا تھا۔طبی معائنہ سے تصدیق ہوئی کہ پہلی گولی نے دل کو پاش پاش کر دیا اور دوسری گولی اپنا رخ موڑ کر کولھے کی طرف گئی اور وہاں سے باہر نکل گئی۔الحاصل ایک گولی جسم کے اندر پیوست ہو کر رہ گئی اور وہ جاں لیوا ثابت ہوئی۔ پہلے زخم سے تو خون بہا ہی نہیں دوسرے سے کچھ نکلا۔شیروانی کی

بائیں جیب سے چھوٹی حمائل شریف سبز کپڑے میں سلی ہوئی برآمد ہوئی۔"[۱۱]

لیفٹیننٹ کرنل چراغ حسن کی گواہی

لیفٹیننٹ کرنل چراغ حسن صاحب بھی جلسہ گاہ میں موجود تھے۔آپ راولپنڈی کے ایڈمنسٹریٹو کمانڈنٹ تھے۔آپ نے کمیشن کے سامنے اپنے بیان میں فرمایا"میں مسٹر ہارڈی کے بعد ڈائس پر پہنچا اور میں نے مسٹر ہارڈی کی وزیراعظم کی اچکن کے نچلے بٹنوں (Buttons) کو کھولنے میں مدد کی۔" نیز انہوں نے فرمایا کہ"میں نے اسی دوران میں دیکھا کہ ڈائس کے سامنے میدان میں لوگوں میں ہاتھا پائی ہو رہی ہے جہاں پر لوگوں نے مبینہ قاتل کو قابو میں کر لیا تھا کسی نے اس کو چاقو گھونپ دیا تھا جس کی وجہ سے اس کا سفید پاجامہ خون میں لت پت ہو گیا تھا۔"[۱۲]

وزیراعظم کو ہسپتال لیجانا

زخمی وزیراعظم کو مشتاق احمد گورمانی کی گاڑی میں ڈال کر کمبائنڈ ملٹری ہسپتال لے کر گئے۔گورمانی صاحب اپنے ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔نواب صدیق علی خان نے وزیراعظم کا سر اپنے زانوں پر رکھا ہوا تھا۔پروفیسر عنایت اللہ جو کہ ایک مقامی مسلم لیگر تھے، نے وزیراعظم کے پاؤں کو اپنے ہاتھوں سے تھاما ہوا تھا۔وزیراعظم پچھلی نشست پر لیٹے ہوئے تھے۔دوران سفر تمام حضرات میں کسی ایک شخص نے بھی ایک لفظ وزیراعظم کے خون بہنے کے بارے میں نہیں کہا۔

ڈاکٹر کرنل میاں کا بیان

ڈاکٹر کرنل میاں نے کمیشن کے سامنے اپنے بیان میں کہا کہ وزیراعظم بچ سکتے تھے اگر گولی ان کے سینے میں نہ لگتی۔وزیر اعظم کے جسم پر تین گولیوں کے زخم تھے۔دو نشانات بدن میں داخلے کے مقام پر تھے اور ایک نشان گولی کے آر پار ہونے کا تھا۔ انہوں نے وزیراعظم کو بچانے کی بھرپور کوشش کی۔"انہوں نے اپنے ہاتھوں سے دل کی بہت مالش کی جسم کو خوب ہلایا جلایا"[۱۳] مگر وہ جانبر نہ ہو سکے۔

سپاہی لال محمد کا بیان

لال محمد ایک پولیس کانسٹیبل تھا اور مردان کا رہنے والا تھا۔پٹھان تھا اور پشتو زبان سمجھتا تھا۔لال محمد نے اپنے بیان میں کہا کہ اس نے سپرنٹنڈنٹ پولیس نجف خان کو پشتو میں کہتے ہوئے سنا "ڈاذا اُوکا اُولا" جس نے گولی چلائی اس کو مارو۔

میں نے ہوا میں گولی چلائی کیونکہ میں اُس شخص کو نہیں دیکھ سکا تھا جس نے پستول سے گولی چلائی تھی۔

محمد اکرم جو کہ اسسٹنٹ سب انسپکٹر پولیس تھا اپنے بیان میں کمیشن کے سامنے اقرار کیا کہ اس کے ماتحت جو ریزرو گارڈ (Reserve Guard) تھا اُس نے سپرنٹنڈنٹ پولیس نجف خان کے حکم پر لوگوں کو منتشر کرنے کے لئے گولیاں چلائیں۔[۱۴]

سپرنٹنڈنٹ آف پولیس نجف خان کا بیان

نجف خان نے اپنے بیان میں کمیشن کو بتایا کہ جب وزیراعظم کو گولی کا نشانہ بنایا گیا تو وہ اُس وقت وزیراعظم کے ڈائس کی پشت پر کھڑے تھے۔ نجف خان نے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے جو جوابات دئے وہ نیچے درج ہیں:

سوال: جب کہ وزیراعظم کو گولی کا نشانا بنایا جاچکا تھا تو کیا تم نے کسی کو مخاطب کر کے کہا ''ڈز اُو کا اوٗلہ''

جواب: ہوسکتا ہے کہ میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہوں۔

سوال: اس کا کیا مطلب ہے۔

جواب: جس نے گولی چلائی اس کو مارو۔ نیز نجف خان نے یہ بھی کہا کہ سب انسپکٹر محمد شاہ کو صیدا کبر کو مارنا نہیں چاہیے تھا۔

سوال: تو کیا تم نے محمد شاہ کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی کی۔

جواب: اگر تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا کہ اس نے غلطی کی تو اس کیخلاف کاروائی کرتا۔

سوال: اگر تم قاتل کو مارنا چاہتے تھے تو پھر تم نے اپنے ریوالور سے اس کو کیوں نہ مارا۔؟

جواب: دو گولیوں کے چلنے کے بعد میں اس کی طرف بھاگا جہاں سے گولیاں چلنے کی آواز آئی تھی۔

سردار میاں اعظم کا بیان

سردار امیر اعظم ایک مسلم لیگی رہنما تھے اور وزیراعظم لیاقت علی خان سے ان کے مراسم تھے۔ سردار امیر اعظم نے اپنے بیان میں کہا ''کمپنی باغ میں وردی میں ملبوس بہت پولیس آفیسرز موجود تھے ان کی اکثریت وزیراعظم کے ڈائس کے پیچھے تھی۔ میں نے دیکھا کہ مسٹر ہارڈی اسٹیج پر گئے اور چلائے ''خدا کے واسطے کار کا انتظام کرو۔''

پہلی دو گولیاں چلنے کے بعد میں نے ایک اور گولی کے چلنے کی آواز سنی اس کے بعد ڈائس کے آگے اور پیچھے سے گولیاں چلنی شروع ہو گئیں۔[۱۵]

اسلام دین کا بیان

اسلام دین ریلوے کا ایک پنشن یافتہ جمعدار تھا۔ اپنی گواہی میں اس نے بیان کیا کہ وہ صیدا کبر کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔

بالکل اس کے پیچھے۔ اچانک میں نے دو گولیوں کی آواز سنی۔ میں نے دیکھا کہ صید اکبر اپنے بائیں ہاتھ میں پستول لئے ہوئے ہے۔ میں پہلا شخص تھا جس نے مبینہ قاتل کو پکڑا۔ نیز اس نے اپنے بیان میں کہا کہ جب گولیاں چلیں تو لوگ بھاگنے لگے اور وہ آدمی بھی بھاگنے والا تھا کہ میں نے اس کو پکڑ لیا۔ میں نے اس کی گردن پر اپنے منہ سے کاٹا تاکہ وہ پستول چھوڑ دے لیکن پھر بھی پستول اس کے بائیں ہاتھ میں رہا۔ میں اس کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ اس نے تیسری گولی چلا دی' نیز میں نے دیکھا کہ اس ہنگامہ میں چودھری مولا داد ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اس نے مزید بتایا کہ غلام رسول نے مبینہ قاتل کا بازو پکڑ رکھا تھا۔

غلام رسول کا بیان

غلام رسول راولپنڈی کا رہنے والا تھا۔ سانحہ کے وقت کمپنی باغ میں موجود تھا۔ اس نے اپنی گواہی میں تحقیقاتی کمیشن کے سامنے کہا کہ جب گولیاں چل چکیں تو میں نے اسلام دین کو صید اکبر کے ساتھ ہاتھ پائی کرتے ہوئے دیکھا۔ نیز اس نے یہ بھی دیکھا کہ صید اکبر کے آگے کچھ بچے بیٹھے ہوئے تھے صید اکبر نے سر کے اوپر ایک کالی پگڑی پہنی ہوئی تھی۔[۱۶]

استغاثہ کے گواہان

گزشتہ صفحات میں ہم نے وزیراعظم لیاقت علی خان کے قتل کے کچھ چشم دید افراد کے بیانات نقل کئے جو کہ انہوں نے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے دیئے تھے۔ اب ہم استغاثہ کے سات گواہوں کے بیانات کی روئداد مختصراً پیش کرتے ہیں جن کی بنیاد پر کمیشن نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ وزیراعظم لیاقت علی خان کا قاتل صید اکبر ہی ہے۔

استغاثہ نے سات افراد کو تحقیقاتی کمیشن کے سامنے پیش کیا۔ جن میں سے صرف دو افراد چشم دید گواہ ہیں۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے صید اکبر کو دیکھا کہ وہ وزیراعظم لیاقت علی خان کو اپنے پستول سے گولی کا نشانہ بنا رہا ہے اور پستول اس کے دائیں ہاتھ میں تھا۔ باقی پانچ گواہوں نے بیان دیا کہ انہوں نے صرف پہلی دو گولیوں کی آوازیں سنیں جو نہایت مہلک اور جان لیوا ثابت ہوئیں جس کے نتیجہ میں وزیراعظم مارے گئے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ استغاثہ کے سات گواہوں میں سے تین گواہان پولیس کے محکمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان سات گواہوں میں ایک گواہ معصوم بچہ بھی ہے جس کی عمر صرف 11 سال ہے۔ وہ بدنصیب گواہ مبینہ قاتل صید اکبر کا بیٹا ہے جو کہ سانحہ کے وقت اپنے باپ کے آگے بیٹھا ہوا تھا۔

لال دین

استغاثہ کی طرف سے پہلا گواہ لال دین تھا جو کہ پیشہ کے اعتبار سے قصائی تھا۔ اس کے بیان کے مطابق وہ پہلا فرد تھا

جس نے مبینہ قاتل صید اکبر کو اچھل کر پکڑا۔ لال دین نے اپنے بیان میں کہا ''جونہی وزیراعظم کے منہ سے 'برادرانِ ملت' کے الفاظ نکلے تو میں نے دو لگا تار گولیوں کے چلنے کی آواز سنی۔ میں نے جونہی اپنے دائیں طرف مڑ کر دیکھا کہ ایک پٹھان اپنے گھٹنوں کے سہارے کھڑا ہونا چاہتا ہے فوراً اس پر جھپٹا اور اس کو اپنے بازوؤں میں کس لیا اس نے پستول سے تیسرا فائر کیا لیکن جدوجہد میں گولی خطا کر گئی۔''(۱۷)

چودھری مولا داد

چودھری مولا داد استغاثہ کی طرف سے دوسرا اہم گواہ تھا چونکہ اس چشم دید گواہ کا دعویٰ تھا کہ اُس نے اپنی آنکھوں سے صید اکبر کو وزیراعظم کو اپنی پستول سے نشانہ بناتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ گواہ کرسیوں کی اگلی صف میں ڈائس کے بائیں جانب بیٹھا ہوا تھا۔ چودھری مولا داد نے تحقیقاتی کمیشن کو بیان دیتے ہوئے بتایا کہ فرش پر سامعین میں سے دوسری تیسری قطار میں ایک شخص کو مشکوک حرکات کرتے ہوئے دیکھا۔ وزیراعظم نے ابھی ''برادرانِ ملت'' کے الفاظ کہے تھے کہ اس مشکوک شخص نے اپنا پستول وزیراعظم پر تان لیا اور دو گولیاں چلائیں جس سے وزیراعظم نیچے گر پڑے۔ گواہ اُس شخص کی طرف لپکا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی لال دین نے اس کو پکڑ لیا۔ گواہ نے مزید بیان کیا کہ چند منٹوں کی جدوجہد کے بعد گواہ نے مبینہ قاتل سے اس کا پستول چھین لیا اور اپنے قبضہ میں کر لیا۔''[۱۸]

بہادر خان

''ہیڈ کانسٹیبل بہادر خان ڈسٹرکٹ سکیورٹی اسٹاف میں شامل تھا وقوع کے روز سادہ کپڑوں میں ملبوس ڈیوٹی پر تھا۔ صید اکبر سے دو گز پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ گواہ وزیراعظم کو دیکھ رہا تھا جب اس نے گولیوں کے چلنے کی آواز سنی۔ اس نے اس شخص کو دیکھا جس نے فائر کیا تھا اور اس کو پکڑنے کی کوشش کی۔ جونہی صید اکبر نے پہلی دو گولیاں چلائیں وہ اس سے گتھم گتھا ہو گیا۔ صید اکبر نے تیسری گولی چلائی جس سے اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔''[۱۹]

ابرار احمد

ابرار احمد سی۔ آئی۔ ڈی کا انسپکٹر تھا۔ ابرار احمد نے اپنے بیان میں کہا کہ جب اس نے لگا تار دو گولیوں کے چلنے کی آواز سنی اور دیکھا کہ دو تین آدمیوں نے مبینہ قاتل کو پکڑ لیا ہے۔ مولا داد اور نگی نے اسکا دایاں ہاتھ پکڑا ہوا ہے جس میں کہ پستول تھا۔''[۲۰]

محمد شاہ سب انسپکٹر پولیس

محمد شاہ سب انسپکٹر پولیس تھا۔ اس نے اپنے بیان میں تحقیقاتی کمیشن کو بتایا کہ وہ ڈائس کے سامنے بیٹھے ہوئے بچوں کو

قابو میں کر رہا تھا جو کہ وزیر اعظم کے منظر میں رخنہ ڈال رہے تھے۔ جب اس نے دو گولیوں کے چلنے کی آواز سنی جو کہ اس سے 13 گز کے فاصلہ پر موجود ایک آدمی نے چلائی تھیں وہ آدمی اپنے گھٹنوں کے بل کھڑا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ سب انسپکٹر نے اپنا ریوالور باہر نکالا اور اس کی طرف دوڑا۔ ابھی وہ تین چار گز کے فاصلہ پر تھا جب اس نے تیسرا فائر کیا۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا اس وقت تک اس کو کسی نے پکڑ لیا تھا وہ گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گواہ نے اس پر پانچ گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اس یقین کے ساتھ کہ وہ دم توڑ گیا۔ محمد شاہ نے یہاں پر کہا کہ اس نے بالکل سیدھے اس پر گولیاں چلائیں جبکہ کوئی چیز رکاوٹ ڈالنے والی نہیں تھی۔[۲۱]

دلاور خان

دلاور خان گیارہ سال کا ایک معصوم بچہ تھا۔ مبینہ قاتل صید اکبر کا پیارا بیٹا تھا۔ اس افسوسناک شام وہ اپنے باپ کے ہمراہ کمپنی باغ میں آیا تھا اور باپ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ دلاور خان نے تحقیقاتی کمیشن کو بتایا کہ وہ دونوں وزیر اعظم کے ڈائس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے جب وزیر اعظم بولنے کے لئے کھڑے ہوئے تو گواہ نے دیکھا کہ اس کے والد نے اپنا پستول نکالا اور فائر کئے۔ پہلے اس کو خیال آیا کہ جس طرح کہ ایبٹ آباد میں بڑے لوگوں کی آمد کے احترام میں لوگ گولیاں چلاتے ہیں اسی طرح اس کے باپ نے فائر کئے۔ لیکن جب اس نے ڈائس کی طرف دیکھا تو اسٹیج پر وزیر اعظم نظر نہیں آئے۔ تب سبز لباس میں ملبوس لوگوں نے اس کے باپ کو پکڑ لیا اور نیزوں سے اس کو چھلنی کر دیا۔[۲۲]

ابرار احمد

ابرار احمد (C.I.D) کا انسپکٹر تھا۔ اس نے بیان کیا کہ لگا تار دو گولیوں کے چلنے کی آواز سننے کے بعد اس نے دیکھا کہ لوگوں نے مبینہ قاتل کو گھیر لیا ہے۔ دو تین آدمی پہلے ہی اس کو پکڑ چکے تھے۔ مولا داد اور نکی نے اُس کا دایاں ہاتھ قابو میں کیا ہوا تھا جس میں اس نے پستول پکڑا ہوا تھا۔[۲۳]

تحقیقاتی کمیشن نے متذکرہ گواہوں کے بیانات سننے کے بعد اور متعلقہ شہادتوں کا تجزیہ کرنے کے بعد فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا کہ سانحہ کے فوراً بعد صید اکبر کے قبضہ سے جو پستول برآمد ہوا جو کہ تازہ چلایا گیا ہوا تھا اور اُس پستول کا نمبر ۸۲۶۱ تھا جبکہ صید اکبر کو ڈپٹی کمشنر ہزارہ نے اگست ۱۹۴۷ء میں جو لائسنس جاری کیا تھا اس پستول کا بھی یہی نمبر تھا، لہذا ان شہادتوں کی موجودگی میں کوئی شک نہیں رہتا یہ کہے بغیر کہ وزیر اعظم لیاقت علی خان کو صید اکبر ہی نے قتل کیا ہے۔

ان تمام گراں قدر شہادتوں اور بیانات کے علاوہ تحقیقاتی کمیشن کو سچائی کی تلاش اور حقیقت کو جاننے کے لئے ریڈیو پاکستان راولپنڈی کے قبضہ سے ایک ایسا ریکارڈنگ آلہ دستیاب ہو گیا جس میں گولیوں کے چلنے کی تعداد، وقت اور قسم اسلحہ کا پتہ چلتا ہے اس آلہ کی مدد سے ہم کسی غلطی کا ارتکاب کئے بغیر بہت سی تاریخی حقیقتوں کو بے نقاب کر سکتے ہیں جو کہ ابھی تک پس پردہ رہی ہیں۔ اس آلہ کی مدد سے ہم کو سازش کی نوعیت اور ماہیت کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔

۱۶ اکتوبر کی شام کو کمپنی باغ میں جلسہ کی کارروائی کا ریکارڈ رکھنے کے لئے ایک آلہ نصب کیا گیا تھا۔ مائیکروفون تو زمین پر گر گیا تھا مگر تمام آوازیں اس آلہ میں ریکارڈ ہوتی رہیں جو کہ پہلی گولی کی آواز سے شروع ہو کر آخری گولی کی فائرنگ تک کو محفوظ کرتا رہا۔ اس آلہ کی تمام ریکارڈنگ کو تحقیقاتی کمیشن کے سامنے ریڈیو پاکستان راولپنڈی نے پیش کیا۔ گولیوں کے چلنے کی تمام آوازوں کو اور ان کے وقت کو ڈپٹی کمشنر راولپنڈی مسٹر ہارڈی نے ٹائم واچ کے ذریعہ ریکارڈ کیا۔ اس سلسلہ میں جی ایچ کیو راولپنڈی سے دو اعلیٰ فوجی افسران کی خدمات بھی حاصل کی گئی جو کہ اسلحہ کی آوازوں کو پہچاننے کے ماہر تھے۔ کمیشن نے بریگیڈیئر مسٹر ڈکسن (Mr, Dixon) اور میجر J.W. Moore کی مدد سے اسلحہ کی شناخت اور ان کی آوازوں کا تعین کیا۔ اسلحہ کی شناخت اور اس کی آواز کا چارٹ بریگیڈیر ڈکسن اور میجر مور صاحب نے تیار کیا۔

''اس تیار شدہ چارٹ کے مطابق پہلی دو گیاں 9MM پستول سے فائر کی گئیں تھیں اور ان کی مدت ایک سیکنڈ سے بھی کم تھی۔ تیسرا فائر بھی پستول کا تھا جو کہ آٹھویں اور نویں سیکنڈ کے درمیان میں سنا گیا۔ چوتھا فائر سولہویں سیکنڈ میں ہوا اور یہ فائر ایک بڑے ریوالور سے کیا گیا تھا۔ پانچواں فائر انیسویں سیکنڈ میں ہوا پھر چھٹا فائر بیسویں سیکنڈ میں ہوا۔ یہ دونوں فائر اسی ریوالور کے تھے جو پہلے چلا تھا۔ اکیسویں سیکنڈ پر دو گولیاں ایک دم سے چلیں جن میں سے ایک گولی ریوالور کی تھی اور دوسری گولی رائفل کی تھی۔ اس کے بعد تین گولیاں بائیسویں اور تیئسویں سیکنڈ میں پھر چلیں اور پھر ایک فائر چوبیسویں سیکنڈ میں ہوا۔ یہ تمام فائر رائفل کے تھے۔ پھر 16 سیکنڈوں کا وقفہ ہے۔ اُس کے بعد اکتالیسویں اور بیالیسویں سیکنڈ میں بارہواں فائر ہوا جو کہ ریوالور کا فائر تھا۔ پندرھواں فائر رائفل کا تھا جو کہ تنتالیسویں سیکنڈ پر ہوا اور آخری چار فائر رائفل کے تھے جبکہ بہت شوروغل تھا۔ تمام فائرنگ اڑتالیسویں سیکنڈ پر ختم ہو چکی تھی۔''[۲۴]

اِس تمام خونی ڈرامہ کو انجام تک پہنچنے میں صرف 48 سیکنڈ لگے جس میں وزیر اعظم لیاقت علی خان بھی قتل ہو گئے اور صید اکبر بھی مارا گیا۔ محمد شاہ سب انسپکٹر نے سولہویں سیکنڈ سے لیکر بیالیسویں سیکنڈ تک صید اکبر کو ۵ گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا جس میں

کل ۲۶ سیکنڈ لگے تھے۔

شہادتوں کا تجزیہ

عینی گواہوں کے بیانات اور دیگر شہادتوں کے پیشِ نظر تحقیقاتی کمیشن اس نتیجہ پر پہنچا کہ وزیر اعظم کا قاتل صید اکبر تھا۔ وزیر اعظم کے قتل کا سارا الزام مبینہ قاتل صید اکبر کے سر پر تھوپ دیا گیا جو کہ ایک لاوارث، بے یار و مددگار اور پناہ گزین تھا۔ نہ کوئی اس کا دفاع کرنے والا تھا نہ کوئی اس کا وکیل۔ لیکن جب ہم اُن حقائق کا ٹھنڈے دل سے تجزیہ کرتے ہیں جو کہ عینی گواہوں کے بیانات اور دیگر شہادتوں کے مطالعہ کے نتیجہ میں ہمارے سامنے آتے ہیں تو حقائق کی ایک نئی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے جو کہ تحقیقاتی کمیشن اور حکومت کے موقف کی کھلم کھلا تردید کرتی ہے۔

متذکرہ بیانات اور شہادتوں کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق نمایاں ہوتے ہیں۔

۱- وزیر اعظم لیاقت علی خان کے منہ سے ابھی یہ الفاظ ''برادرانِ ملّت'' نکلے ہی تھے کہ یکا یک دو گولیوں نے جو کہ یکے بعد دیگرے ایک سیکنڈ سے کم عرصہ میں چلیں اُن کو زخمی کر دیا اور وہ پُشت کے بَل ڈائس پر گر پڑے۔

۲- ڈپٹی کمشنر مسٹر ہارڈی پہلے شخص تھے جو بھاگ کر وزیر اعظم کے پاس ڈائس پر پہنچے۔ مسٹر ہارڈی کو لیاقت علی خان کی اچکن پر خون کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔

۳- مسٹر ہارڈی نے وزیر اعظم سے پوچھا کہ کیا آپ زخمی ہیں؟ اس پر لیاقت علی خان نے جواب دیا کہ وہ اپنی کمر میں بائیں طرف درد محسوس کر رہے ہیں۔

۴- مسٹر ہارڈی نے لیاقت علی خان کی اچکن کے بٹن کھولے اور دیکھا کہ ان کے دل کے نیچے خون کا سرخ دھبہ ہے۔

۵- لیفٹیننٹ کرنل چراغ حسن نے مسٹر ہارڈی کی وزیر اعظم کی اچکن کے نچلے بٹن کھولنے میں مدد کی۔ لیفٹیننٹ کرنل چراغ حسن کو لیاقت علی خان کی اچکن پر کوئی خون کا دھبہ یا نشان نظر نہیں آیا۔

۶- چراغ حسن نے دیکھا کہ کچھ لوگ مبینہ قاتل کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے جبکہ مبینہ قاتل زندہ تھا اور خون میں لت پت تھا اس کا سفید پاجامہ خون سے سُرخ ہو گیا تھا۔

۷- جب نواب صدیق علی خان نے لیاقت علی خان کی شیروانی کے بٹن کھولے اور ریشمی قمیض کو الٹ کر دیکھا تو بائیں طرف پسلیوں کے وسط میں دو انچ قطر میں چنے برابر دو نشان اوپر نیچے ایک ہی سیدھ میں نظر آئے جن کے منہ پر کچھ خون

دیکھائی دے رہا تھا۔[۲۵]

۹- نہ ہی مسٹر ہارڈی نے نہ ہی کرنل چراغ حسن صاحب نے اور نہ ہی نواب صدیق علی خان نے وزیراعظم کی اچکن یا شیروانی پر نہ خون کا دھبہ دیکھا اور نہ ہی کسی گولی کا نشان یا سوراخ دیکھا۔

۱۰- ''وزیراعظم کی بائیں جیب سے چھوٹی حمائل شریف سبز کپڑے میں سلی ہوئی برآمد ہوئی۔[۲۶] اس پر بھی کوئی خون کا دھبہ نہ تھا۔

۱۱- جب وزیراعظم کو گورمانی کی گاڑی میں ڈالکر ہسپتال پہنچایا گیا تو کسی فرد نے بھی یہ نہیں کہا کہ وزیراعظم کا خون بہہ رہا ہے۔

۱۲- ''ڈاکٹر کرنل میاں نے وزیراعظم کے دل کی بہت مالش کی''[۲۷]

۱۳- اگر وزیراعظم کی چھاتی زخمی ہوتی تو ڈاکٹر کرنل میاں دل کی مالش نہیں کر سکتے تھے۔

۱۴- لیاقت علی خان کی چھاتی پر کوئی زخم نہیں تھا۔

۱۵- طبّی معائنہ سے تصدیق ہوئی کہ پہلی گولی نے دل کو پاش پاش کر دیا تھا۔ جسم میں خون ٹھسا ٹھس بھرا ہوا تھا۔[۲۸]

۱۶- وزیراعظم کے ڈائس کے پیچھے بہت پولیس آفیسرز کھڑے تھے۔ نجف خان ڈائس کی پشت پر وزیراعظم کے عین پیچھے کھڑا تھا۔

۱۷- صید اکبر وزیراعظم کے ڈائس کے سامنے سامعین میں زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔

۱۸- وزیراعظم پشت کی طرف سے زخمی ہوئے تھے جیسا کہ انہوں نے مسٹر ہارڈی کو بتایا تھا۔

۱۹- صید اکبر وزیراعظم کے ڈائس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور وزیراعظم لیاقت علی خان سامنے کی طرف سے زخمی نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ان کی پشت زخمی تھی۔ اس لئے صید اکبر انکا قاتل نہیں ہوسکتا ہے۔

۲۰- جلسہ گاہ میں پچاس ہزار سے زیادہ افراد موجود تھے۔ سوائے ایک سرکاری گواہ چودھری مولا داد کے کسی اور بالغ شخص نے صید اکبر کو لیاقت علی خاں پر گولی چلاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

۲۱- اس لئے صید اکبر وزیراعظم کا قاتل نہیں ہے اس کو تو قربانی کا بکرا بنایا گیا وہ بے گناہ مارا گیا۔

آیئے اب استغاثہ کے گواہوں کے بیانات کا تجزیہ کریں جن کی بنیاد پر تحقیقاتی کمیشن نے صید اکبر کو قاتل ٹھہرایا۔

استغاثہ کے گواہوں میں اہم ترین دو گواہ ہیں ایک چودھری مولا داد جو عینی شاہد ہے تمام واقعات کا اور دوسرا محمد شاہ سب انسپکٹر پولیس جس نے اعتراف کیا کہ اس نے صید اکبر کو قتل کیا۔ چشم دید گواہ میں دلاور خان بھی شامل ہے جو کہ مبینہ قاتل کا پیارا بیٹا ہے۔ ہم دلاور خان کو زیرِ بحث نہیں لائیں گے کیونکہ یہ وقت کا زیاں ہوگا۔ نیز وہ معصوم بچہ پولیس کے ہاتھ میں ایک کھلونا تھا۔ معصوم و بے گناہ، خائف اور لاوارث جس کو پولیس نے اپنا قیدی بنایا ہوا تھا۔ کتنے ظلم اور شرم کی بات ہے کہ ایک معصوم بچے کو باپ کے خلاف گواہ بنایا گیا۔

ہم چودھری مولا داد کے بیانات کے تضاد اور جھوٹ کو پیش کرتے ہیں۔ چودھری مولا داد کا تحقیقاتی کمیشن کے سامنے یہ بیان ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مبینہ قاتل وزیرِاعظم لیاقت علی خان کو اپنے پستول سے نشانہ بنا رہا ہے، جونہی اس نے دو گولیاں چلائیں مولا داد ایک فلمی ہیرو کی طرح سُپر مین کے انداز میں اچھل کر اپنی کرسی سے مبینہ قاتل صید اکبر سے گتھم گتھا ہو گیا اور چند منٹوں کی طاقت آزمائی کے بعد صید اکبر سے جو کہ ایک خوفناک دہشت گرد تھا اور جس نے ہزاروں آدمیوں کی موجودگی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جرأت کا مظاہرہ کیا تھا اُس سے پستول چھین لیا۔

ریڈیو پاکستان راولپنڈی کے ریکارڈنگ آلہ کی تیار کردہ چارٹ سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ ایک سیکنڈ سے کم مدت میں دو گولیوں نے وزیرِاعظم کو اسٹیج پر ڈھیر کر دیا تھا۔ نویں سیکنڈ میں تیسرا فائر ہوا جو کہ صید اکبر نے کیا تھا۔ اکیسویں سیکنڈ پر نجف خان کے حکم پر ریزرو گارڈ نے فائرنگ شروع کر دی جس سے کمپنی باغ میں کہرام مچ گیا اور ہزاروں لوگ تتر بتر ہو گئے، ہزاروں آدمی زخمی وزیرِاعظم کو دیکھنے کے لئے ڈائس کے طرف بھاگ کر آ رہے تھے جیسا کہ محمد شاہ نے اپنے بیان میں افراتفری کا نقشہ کھینچا ہے۔ ایسے عالم میں جبکہ چودھری مولا داد نے جو کہ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جیسا کہ اسلام دین نے اپنے بیان میں بتایا، بیس فٹ کا فاصلہ جو کہ اُس کی کرسی اور صید اکبر کے درمیان تھا کس طرح پلک جھپکنے میں طے کیا؟

دوسری بات یہ ہے کہ چودھری مولا داد نے اپنے بیان میں تحقیقاتی کمیشن کو بتایا کہ صید اکبر سے اُس کا پستول چھیننے میں کئی منٹ لگ گئے۔ جبکہ چارٹ کی روشنی میں تمام کارروائی صرف 48 سیکنڈوں میں مکمل ہو گئی تھی۔ اس دوران میں وزیرِاعظم بھی مارا گیا اور ان کا مبینہ قاتل بھی ڈھیر ہو گیا۔

دراصل یہ تمام بیان جو چودھری مولا داد نے کمیشن کے سامنے دیا اس کے دماغ کی اختراع ہے جو کہ من گھڑت کہانی ہے اور بالکل جھوٹ پر مبنی ہے۔ مولا داد ان سرکاری گواہوں میں شامل ہے جو حکومت کی خوشامد اور دلالی میں سرگرم عمل رہتے ہیں

جو کہ ہمارے عدالتی نظام کا ایک سیاہ باب ہے۔

استغاثہ کا دوسرا اہم گواہ محمد شاہ سب انسپکٹر پولیس ہے جس نے اقرار کیا ہے کہ اس نے اپنے ریوالور سے صید اکبر کے جسم کو پانچ گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ وہ صید اکبر کے مقام سے ۱۳ گز کے فاصلہ پر کھڑا تھا جبکہ مبینہ قاتل نے وزیراعظم پر گولیاں چلائیں۔ سوال یہ ہے کہ ۱۳ گز کا فاصلہ اس نے ۱۴ سیکنڈوں میں کیسے طے کیا جبکہ اس کے بیان کے مطابق اس وقت ہزاروں افراد ڈائس کی طرف پاگلوں کی طرح بڑھ رہے تھے۔ دراصل بات یہ ہے کہ سازشی ٹولہ نے اپنے کرایہ کے ٹٹوؤں کو صید اکبر کے اردگرد پہلے ہی سے متعین کر دیا تھا اور محمد شاہ انہیں ایجنٹوں میں سے ایک تھا اور صید اکبر کے قریب کھڑا تھا۔

پاکستان کی عدالتی تاریخ اس افسوسناک حقیقت کی گواہ ہے کہ الّا ماشاء اللہ، عام طور پر استغاثہ کے گواہوں کی عظیم اکثریت مقدس کتاب کی قسم کھا کر جھوٹی گواہی دیتے ہیں، نہ ان کو خوف خدا ہوتا ہے اور نہ ان کو ضمیر کی کوئی خلش ہوتی ہے۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان کے کیس میں استغاثہ کے تمام گواہ جھوٹے تھے۔

پستول کی تیسری گولی کی حقیقت

ریڈیو پاکستان کے تیار کردہ چارٹ کے مطابق پستول کی تیسری گولی کی آواز آٹھویں اور نویں سیکنڈ کے درمیان ریکارڈ کی گئی۔ یہ گولی صید اکبر نے اُس وقت چلائی تھی جبکہ اُس کے قریب بیٹھے ہوئے خفیہ پولیس کے کانسٹیبل بہادر خان نے صید اکبر پر یورش کی۔

جونہی وزیراعظم لیاقت علی خان پر پیچھے سے دو فائر کئے گئے اور لیاقت علی خاں ڈائس پر گر پڑے اس وقت ایک سناٹا چھا گیا تھا۔ صید اکبر نے جیسے ہی گولیوں کی آواز سنی اور لیاقت علی خان کو گرتے ہوئے دیکھا وہ سمجھ گیا کہ معاملہ خطرات سے پُر ہے اور سنگین صورت حال ہے، اُس نے خطرات کو بھانپ کر اپنا پستول اپنے بائیں ہاتھ میں نکالا، یہ صرف حفظ ماتقدم کے لئے اس کا فطری عمل تھا، وہ ایک جہاندیدہ، جنگجو اور فوج میں برگیڈیئر کے عہدہ پر رہ چکا تھا، اس نے ایسے معاشرہ میں آنکھ کھولی تھی جہاں خون خرابہ اور قتل و غارت عام تھا، وہ خطرات کو آسانی سے بھانپ سکتا تھا، جونہی اس نے اپنا پستول باہر نکالا اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے سپاہی "خان بہادر نے اس پر یلغار کر دی۔[۲۹] صید اکبر نے اپنی حفاظت کرتے ہوئے گولی چلائی، اسی اثناء میں دیگر پولیس والے آ گئے جن کے ساتھ عام آدمی بھی صید اکبر پر جھپٹ پڑے جس میں محمد شاہ پیش پیش تھا جس نے 26 سیکنڈوں میں صید اکبر کو ختم کر دیا پولیس نے صید اکبر پر پہل کی عام لوگ جو اردگرد تھے وہ یہی سمجھے کہ صید اکبر قاتل ہے کیونکہ اس کے ہاتھ میں

پستول تھا اور وہ بہادر خان کے ساتھ ہاتھ پائی میں گولی چلا چکا تھا۔

صید اکبر کے پاس ماوزر Mausar پستول تھا۔ اسی طرح کے پستول سے پہلے دو گولیاں چل چکی تھیں جن کی وجہ سے وزیر اعظم زخمی ہو کر ڈائس پر گر چکے تھے۔ صید اکبر نے نوے سیکنڈ پر اپنے پستول سے پہلا اور آخری فائر کیا تھا جبکہ وہ اپنی جان بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پستول کی گولیوں کے چلنے کی آواز کی مماثلت کی وجہ سے سازشی ٹولہ لوگوں کو بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو گیا۔

صید اکبر کے سامنے اس کا پیارا بیٹا بیٹھا ہوا تھا وہ اپنے باپ کو قتل ہونے سے نہیں بچا سکا۔ پستول کی گولی کی آواز کی مماثلت نے صید اکبر کو قاتل بنا دیا جبکہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا وہ مظلوم انسان تو صرف اپنا دفاع کر رہا تھا اصلی قاتل تو پیچھے تھا جہاں پر نجف خان کھڑا ہوا تھا۔ اصلی قاتل کی تو ابھی تلاش بھی شروع نہیں ہوئی۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے جو کہ لیاقت علی خان کی کابینہ میں وزیر تھے۔ ایک ملاقات میں مؤلف کو بتایا تھا کہ اے کے بروہی صاحب نے ایک مرتبہ ان سے کہا تھا کہ ''لیاقت علی خان کو گولی پیچھے کی طرف سے لگی تھی''[۳۰]۔

صید اکبر راولپنڈی کیوں آیا تھا

صید اکبر ایک سال سے اپنے گزارہ الاؤنس میں اضافہ کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ اس نے اپنے ماہانہ وظیفہ میں اضافہ کے لئے گورنر سرحد کو درخواست دی تھی مگر اُس درخواست پر کوئی عمل درآمد نہیں ہوا کیونکہ آئینی طور پر صرف وزیر اعظم ہی اس کے وظیفہ میں کمی بیشی کا اختیار رکھتا تھا۔ دراصل صید اکبر کو وزیر اعظم لیاقت علی خان سے ملانے کی ترغیب دیکر راولپنڈی لایا گیا تھا۔ تا کہ وہ خود اپنی درخواست دستی طور پر وزیر اعظم کو پیش کر دے۔ اسی خواہش کے پیش نظر صید اکبر اگلی صفوں میں بیٹھا تھا تا کہ جلدی سے جب جلسہ ختم ہو تو وہ وزیر اعظم کو درخواست دیدے۔

اس ملاقات کا وہ بڑا متمنی تھا اور اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لایا تھا تا کہ وہ بھی وزیر اعظم سے مل سکے جیسا کہ افغانستان کی روایات ہیں۔ اس موقع پر صید اکبر شاندار لباس میں ملبوس تھا سر پر سرداروں کی طرح کا کالا پگڑ پہنا ہوا تھا۔ قبیلہ کا سردار لگتا تھا۔ اگر وہ لیاقت علی خان کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا تو پھر وہ اپنے گیارہ سالہ معصوم بیٹے کو اپنے ہمراہ ایسے خطرناک مشن پر نہ لاتا جو کہ خودکشی کرنے کے مترادف تھا۔ کوئی شخص بھی ایسے موقعہ پر اپنے جگر کے ٹکڑے کو خطرات میں نہیں ڈالتا جو کہ ایک فطری عمل ہے۔ یہ سب مَن گھڑت کہانی ہے تا کہ سازش کا پتہ نہ چل سکے اور لوگ صید اکبر کو قاتل قرار دے کر وزیر اعظم کے قتل کو بھول جائیں۔ صید اکبر کا قتل اتنا بھیانک تھا کہ تحقیقاتی کمیشن بھی اظہار تاسف کئے بغیر نہ رہ سکا۔'' جبکہ مبینہ قاتل کو مکمل طور پر قابو میں کر

لیا گیا تھا تو پھر اس کے بعد اس کے جسم میں پانچ گولیاں کیوں اتاری گئیں۔ محمد شاہ کے احمقانہ فعل سے سازش کی شہادت اور قتل کرنے کے محرکات غائب ہوگئے۔"[۳۱]

سازش سے پردے ہٹنے شروع ہوتے ہیں

وزیراعظم لیاقت علی خان کے قتل کے فوراً بعد سازش کی پہلی جھلک کا پتہ اخبارات اور میڈیا کے رویہ سے چلتا ہے۔ ملک میں اتنا بڑا سانحہ رونما ہوا ہے مگر تعجب ہے کہ اردو زبان میں چھپنے والے قومی اخبارات روزنامہ زمیندار لاہور اور روزنامہ امروز کراچی نے اپنے ۱۷، اکتوبر ۱۹۵۱ء کی اشاعت میں وزیراعظم کے قتل کی کوئی خبر شائع نہیں کی۔ روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ اور پاکستان ٹائمز نے ۱۷، اکتوبر کے شمارے میں ۱۶، اکتوبر کے سانحہ کی کوئی تصویر شائع نہیں۔ پاکستان ٹائمز نے لیاقت علی خان کی ۳۱ تصویریں شائع کیں ہیں لیکن اُن میں ایک بھی تصویر ۱۶، اکتوبر کے واقعہ سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔ تصویروں کو چھپانے کے پیچھے کونسا راز چھپا ہوا ہے۔ کیا وزارت اطلاعات اور سازشی ٹولہ کے مابین کوئی خفیہ ناپاک معاہدہ تھا جس کی پاسداری کے لئے قوم کو اندھیرے میں رکھا گیا۔ اس سلسلہ میں وزیر اطلاعات خواجہ شہاب الدین کا اظہار خیال کافی معنی خیز ہے۔ موصوف فرماتے ہیں "ہمارے یہاں جو اخبارات اور رسالے نکلتے ہیں ان میں تو افسانے ہوتے ہیں انکا واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک قصہ بنا کر بیان کرتے ہیں اور پھر جہاں تک حقائق کا تعلق ہے وہ سامنے نہیں آئیں گے افسانے آئیں گے حقائق ہیں بھی کم اور نہیں بھی۔"[۳۲]

جہاں ایک طرف اخبارات اور میڈیا وزیراعظم کے قتل پر پردہ ڈالنے کی کوششیں کر رہے تھے تو دوسری طرف غلام محمد اور مشتاق احمد گورمانی پُراسرار سرگرمیوں میں مصروف عمل تھے۔ یہ دونوں وزرائے مملکت سانحہ کے روز راولپنڈی میں موجود تھے۔ مگر دونوں وزراء نہ تو وزیراعظم لیاقت علی خان کے استقبال کے لئے چکلالہ ایئربیس پر تشریف لائے جبکہ تمام معززین شہر موجود تھے اور نہ ہی وزیراعظم کے جلسہ میں موجود تھے جس کو لیاقت علی خان نے خطاب کرنا تھا۔ یہ ان کا سرکاری فریضہ تھا کہ وہ ان دونوں موقعوں پر موجود ہوتے۔ ان دونوں وزراء کی غیر حاضری کے کیا اسباب تھے۔؟ کیا غلام محمد اور مشتاق احمد گورمانی وزیر مملکت نہیں تھے؟ اگر تھے تو پھر وزیراعظم کے استقبال اور خوش آمدید کے لئے کیوں حاضر نہیں ہوئے۔ یہ بڑے اہم سوالات ہیں جن پر سازش کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ ان کی عدم موجودگی کا جواز صرف اسی صورت میں بنتا ہے جبکہ وہ وزارت سے فارغ ہو چکے ہوں۔ یقیناً یہ بات صحیح ہے کہ لیاقت علی خان نے ان دونوں حضرات کو وزارت سے رخصت کر دیا تھا ہمیں اس چھپے ہوئے راز کا پتہ ایوب

خان کی کتاب 'فرینڈز ناٹ ماسٹرز' کے مطالعہ سے ملتا ہے۔ گو کہ کتاب میں ایوب خان نے لیاقت علی خان کے قتل کی سازش کو محض افواہ لکھ کر رد کر دیا ہے مگر بڑی ہوشیاری سے انہوں نے اپنا دامن بچا کر سازش کی نشاندہی کی ہے۔ ایوب خان لکھتے ہیں کہ "جب وہ لندن سے وطن واپس آئے تو پاکستان کی سیاست ایک نیا منظر پیش کر رہی تھی اور" جن لوگوں کا سیاسی مقدر تاریک ہو چکا تھا۔ ان کو ایک نئی زندگی مل چکی تھی۔ وزیراعظم کی زندگی کے خاتمے کے بعد ان میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو آگے بڑھا لیا تھا اور مجھے یہ محسوس ہوا کہ لیاقت علی خان کے منظر سے ہٹنے کے بعد ہر ایک مطمئن نظر آتا تھا وہ آدمی جو ان کو قابو میں رکھ سکتا تھا وہ رخصت ہو چکا تھا۔"[۳۳]

ایوب خان نے سازش کرنے والوں کا نام تحریر نہیں کیا اور نہ کسی سازش کا ذکر کیا تاہم وہ تاریخ کو ایک حقیقت سے آگاہ کر گئے ہیں۔

اب جہاں تک سازش کا تعلق ہے یہ ایک بڑی سوچی سمجھی اور مضبوط بنیادوں پر استوار کی ہوئی سازش ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کابینہ سے نکالے ہوئے دو وزراء اتنی بڑی سازش تیار کر سکتے ہیں جس کے باعث ملک نہ صرف جمہوریت کی پٹڑی سے اتر گیا بلکہ بین الاقوامی استعمار کی آماجگاہ بن گیا۔ یہ سازش صرف دو وزراء کے بس کا کھیل نہیں تھا جب تک کہ ان کے ساتھ دیگر وزراء اور سول بیورو کریٹس شامل نہ ہوں۔ سازش نہ صرف اندرونی تھی بلکہ اس کے ناطے باہر سے بھی ملتے ہیں۔ اندرونی اور بیرونی سیاسی صورت حال کا تجزیہ کیے بغیر لیاقت علی خان کے قتل کے محرکات اور اسباب سمجھ میں نہیں آسکتے ہیں۔

لیاقت علی خان کی طاقت کا منبع پاکستان مسلم لیگ تھی مگر مسلم لیگ پارٹی اپنی سیاسی ساکھ کھو چکی تھی اور اندر سے بالکل کھوکھلی ہو گئی تھی۔ جب سے پاکستان مسلم لیگ کی صدارت چودھری خلیق الزمان کے ہاتھوں سے چھینی گئی تھی اُس وقت سے عدم استحکام اور افراتفری پاکستان مسلم لیگ کا مقدر بن گیا تھا۔ چودھری خلیق الزمان سازشیں تیار کرنے میں برصغیر کے بے تاج بادشاہ تھے۔ خالق پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو خالق دینا ہال میں انہوں ہی نے شکست دی تھی۔ لیاقت علی خان چودھری خلیق الزماں کی سازشوں کا جواب دینے میں ناکام ہو گئے تھے۔ لیاقت علی خان کے قتل کے وقت جو سیاسی منظر تھا اس کو ایوب خان نے اس طرح پیش کیا ہے۔ 'صوبائی اور مرکزی قیادتیں ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھیں۔ مرکزی کابینہ اپنی وفاداریوں میں تقسیم تھی۔ ہر طرف سازشی ماحول نے اپنے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ کراچی سازشوں کا مرکز بن چکا تھا۔ سروسز کے لوگ لنگوٹ کس کر میدانِ سیاست میں کود پڑے تھے اور سیاسی عزائم رکھتے تھے ہر ٹولہ کے پیچھے اسکا ایک گرو تھا۔'[۳۴]

لیاقت علی خان کی کابینہ میں بڑے خودسر اور سازشی وزراء شامل تھے جو کہ منسٹر کم اور نوکر شاہ زیادہ تھے۔ غلام محمد، مشتاق احمد گورمانی، چودھری ظفر اللہ خان جیسے منجھے ہوئے گُرگے اور برطانوی سامراج کے تربیت یافتہ افراد لیاقت علی خان کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ ان لوگوں کی نگاہ میں 'لیاقت علی خان کی وہ عزت اور احترام ودبدبہ نہیں تھا جو کہ آخری دم تک قائداعظم کا تھا'۔ [۳۵]

لیاقت علی خان کا سب سے بڑا چھپا ہوا دشمن خواجہ شہاب الدین تھے۔ جنکا گروپ الطاف حسین کے ذریعہ جو کہ اخبار ڈان کے ایڈیٹر تھے۔ لیاقت علی خان کو لوگوں کی نگاہوں میں گرا رہے تھے اور ان کی حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔ اسکندر مرزا اور ایوب خان فوج کو اپنے قبضہ میں کر چکے تھے۔ جب لیاقت علی خان قتل ہوئے اس وقت تک سول بیوروکریسی نے سیاست دانوں کو کھڈے لگا دیا تھا۔

غلام محمد تمام سروسز پر چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے کراچی میں امریکی سفارت خانہ سے گہرے مراسم قائم کئے ہوئے تھے۔ سفارت خانہ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو پاکستان کی بدلتی ہوئی صورت حال سے باخبر رکھے ہوئے تھا۔ امریکیوں کی نگاہ میں غلام محمد اپنے آپ کو جناح کا جانشین سمجھتے تھے۔ مسٹر تھیبل ہاس کاٹ نے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو اس بات سے بھی آگاہ کر دیا تھا کہ غلام محمد نے اپنے ہاتھوں میں بے پناہ طاقت اکٹھی کر لی ہے۔ غلام محمد کے اہم امریکی شخصیات سے گہرے مراسم تھے، امریکی سفیر ایورا وارن Avra Warren سے دوستانہ مراسم تھے، دونوں حضرات کے مابین اعتماد اور دوستی کا رشتہ قائم تھا۔ اسٹیٹ سیکرٹری جارج سی میگی George C.McGhee جو کہ امریکی دفتر خارجہ کے اُبھرتے ہوئے ایک ذہین اور ہوشیار سفارت کار تھے، ان کے ساتھ غلام محمد کے گہرے رشتے قائم تھے یہاں تک کہ اُنکے ڈرائنگ روم میں غلام محمد کی تصویر آویزاں تھی۔ میگی نے پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کو ایک نئی شکل دی تھی جس کے گہرے نتائج برآمد ہوئے۔ وزیر داخلہ واطلاعات خواجہ شہاب الدین کی رائے تھی کہ ''غلام محمد نے امریکہ سے تعلقات اتنے استوار کر لئے تھے جتنی اُن کو ضرورت تھی''۔ [۳۶]

امریکہ سے تعلقات میں کشیدگی

شروع دن سے پاکستان کے امریکہ کے ساتھ بڑے اچھے دوستانہ مراسم تھے۔ ۱۹۵۰ء میں وزیراعظم لیاقت علی خان کو امریکی صدر جناب ٹرومین نے امریکہ کا دورہ کرنے کی دعوت دی تھی جس پر وزیراعظم نے امریکہ کا کامیاب دورہ کیا۔ پاکستان چونکہ ایک نیا ملک تھا اور اقتصادی طور پر غیر مستحکم بھی تو اس کو امریکی امداد کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ نظریاتی طور پر بھی دونوں ملکوں میں ہم آہنگی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ دنیا میں سرد جنگ کا آغاز ہو چکا تھا اور دنیا دو دھڑوں میں بٹنی شروع ہوئی تھی ایک طرف مغربی اقوام تھیں جن کا رہبر امریکہ تھا دوسری طرف اشتراکیت تھی جس کا پرچم روس کے ہاتھ میں تھا۔

اس وقت کوریا کی جنگ شروع ہو چکی تھی اور امریکہ کی خواہش تھی کہ پاکستان ایک یا ایک سے زیادہ ڈویژن فوج امریکہ کی مدد کے لئے کوریا بھیجے۔ نیز امریکہ کی خواہش تھی کہ مشرق وسطیٰ میں روسی اثر ونفوذ کو روکنے کے لئے پاکستان اپنا کردار ادا کرے اور امریکہ کا ہمنوا ہو جائے۔ لیاقت علی خان امریکی خواہشات کا پورا احترام کرتے تھے۔ لیکن ان کی شرط تھی کہ امریکہ کشمیر کے مسئلہ پر اور پختونستان کے مسئلہ پر پاکستان کی حمایت کرے۔ امریکہ نے اس قسم کی شرط قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کشمیر کے مسئلہ کے سلسلہ میں پاکستان کو مشورہ دیا کہ ہندوستان سے بات چیت کے ذریعہ کشمیر کے حل کو تلاش کیا جائے۔ امریکہ کے اس رویہ سے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو کافی مایوسی ہوئی اور انہوں نے کوریا میں پاکستان کی فوج کو بھیجنے سے صاف طور انکار کر دیا۔[۳۷]

اسی زمانہ میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ایک پالیسی کا اعلان کیا جس میں انڈیا کو جنوبی ایشیا میں استحکام کا ایک اہم ستون قرار دیا۔ ہندوستان اور پاکستان کے تنازعہ میں غیر جانبداری کا رویہ اختیار کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔ نیز دونوں ممالک کو جھگڑے بنٹانے کے لئے کوششوں کی اہمیت پر زور دیا۔[۳۸]

اسی اثناء میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کشمیر کے مسئلہ پر تعلقات اتنے کشیدہ ہو گئے اور معاملات اتنی تیزی کے ساتھ دشمنی اور تلخی میں ڈھل گئے کہ ہندوستان نے اپنی افواج کو پاکستان کی سرحدوں پر لا کھڑا کیا۔ جواباً لیاقت علی خان نے مُکّہ دیکھا کر ہندوستان کو جنگ کی دھمکی دیدی۔ برصغیر پاک وہند پر جنگ کے بادل چھانے لگے۔ اسی دوران ڈاکٹر گراہم جو کہ اقوام متحدہ کی نمائندگی کر رہے تھے، پاکستان تشریف لائے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے اُن سے کہا 'آپ کا یہ آخری مشن ہوگا۔ میں نے تین سال سے اپنے لوگوں کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی ہے اب مزید ان کو قابو میں نہیں رکھ سکتا'۔[۳۹]

لیاقت علی خان صورت حال سے سخت پریشان تھے۔ انہوں نے اپنے سپہ سالار محمد ایوب خان سے کہا کہ 'میں روزانہ کی ورزشوں اور بھوں بھوں سے تنگ آ گیا ہوں۔ ہندوستان سے دو دو ہاتھ ہو جانے چاہئیں'۔ ایوب خان نے جواباً کہا 'ہمارے پاس صرف ۱۳ ٹینک (Tanks) ہیں۔ ان کے ساتھ کس طرح ہندوستان کی فوج کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے'۔[۴۰]

''امریکہ کو پاکستان اور ہندوستان کی کشیدگی سے بڑی تشویش لاحق تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہندوستان جنگ میں پہل نہیں کریگا۔ پاکستان گورنمنٹ رائے عامہ کے دباؤ کے تحت جنگ شروع کر سکتی ہے۔ اُسی زمانہ میں ایران اور مصر میں برطانوی سامراج کے خلاف قومی تحریکیں سر اٹھا رہی تھیں اور مشرق وسطیٰ میں صورت حال کے بگڑنے کے امکانات موجود تھے۔ امریکہ

کے National Intellegence Estimate نے اپنے ایک تجزیہ میں برصغیر کی بگڑتی ہوئی صورت حال کا نقشہ اس طرح کھینچا کہ اگر برصغیر میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ ہوتی ہے تو اس جنگ کے بڑے مہلک اثرات تمام جنوبی ایشیا اور مڈل ایسٹ پر مرتب ہونگے۔ ہندوستان جنگ جیتنے کے باوجود اقتصادی طور پر کنگال ہوجائے گا جس کا فائدہ کمیونسٹوں کو پہنچے گا اور اس بات کا قوی امکان ہے کہ ہندوستان کے اشتراکی (Communists) چین کی مدد سے جنگ کے بعد حکومت پر قبضہ کر لیں اور اس طرح پورا خطہ کمیونزم کی کی گود میں آجائیگا۔

دوسری طرف جنگ کے نتیجہ میں پاکستان نہ صرف ٹوٹ پھوٹ اور شکست کا شکار ہوگا بلکہ امریکہ پاکستان کے اڈوں سے بھی محروم ہوجائیگا۔ شکست خوردہ غیر جانبدار پاکستان امریکہ کے لئے بیکار ہوگا اس ہولناک صورت حال سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ پاکستان کو جنگ کرنے سے روکا جائے تاکہ کہیں مقامی جھڑپ قومی جنگ کا روپ نہ اختیار کرلے۔ رپورٹ میں اس بات کا بھی ذکر تھا کہ لیاقت علی خان کے تلخ بیانات سے مایوسی اور خطرناک رجحان کی جھلک آتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان میں جنگ مخالف لوگوں کی ہمت افزائی کیجائے تاکہ جنگ کے دہانے سے پاکستان کو ہٹادیا جائے۔

جنگ کو روکنے کے لئے سیکرٹری آف اسٹیٹ نے (McGhee) مگی کو ہدایت کی کہ اس سلسلہ میں تمام امکانی کوششوں کو بروئے کار لایا جائے اور اگر ضرورت پڑے تو شوٹ گن (Shot gun) کا طریقہ استعمال کیا جائے۔"[۴۱] ایسا لگتا ہے کہ ٹرومین انتظامیہ یہ محسوس کرنے لگا تھا کہ لیاقت علی خان امریکہ کی سیاسی ضروریات کے تقاضوں کو خاطر میں نہیں لا رہے تھے تو کیا لیاقت علی خان امریکہ کے لئے ایک بوجھ بن گئے تھے؟"[۴۲]

۹، اکتوبر ۱۹۵۱ء کی رات کو لیاقت علی خان نے امریکی سفیر کو اپنی رہائش گاہ پر طلب کیا اور ڈاکٹر گراہم کی رپورٹ کی تاخیر کا سبب معلوم کیا۔ اپنی ناخوشگواری کا اظہار کرتے ہوئے امریکی سفیر سے کہا "ہم پاکستانی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب کہیں امریکی مفادات کا مسئلہ ہوتا ہے تو فوراً اس پر عمل درآمد ہوتا ہے۔" جبکہ دوسرے لوگوں کے لئے لیت ولعل سے کام لیا جاتا ہے۔ وزیراعظم نے اس امید کا اظہار کیا کہ سکیورٹی کونسل میں گراہم رپورٹ ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۱ء تک بحث کے لئے پیش کردی جائے گی۔

امریکی سفیر سے لیاقت علی خان کی یہ آخری ملاقات تھی۔ ۱۶، اکتوبر ۱۹۵۱ء کو لیاقت علی خان کی زندگی کا چراغ گل ہوچکا تھا۔ کیا امریکہ ناراض ہوگیا تھا؟ غیر ملکی تسلط کسی بھی ملک میں اس وقت تک قدم نہیں رکھتا جبتک کہ ملک کے اندر غیر ملکیوں کو خوش آمدید کہنے والے موجود نہ ہوں۔

وزیر اعظم لیاقت علی خان اور وزیر خزانہ غلام محمد کے درمیان تعلقات

وزیر اعظم خان لیاقت علی خان اور وزیر خزانہ غلام محمد کے درمیان تعلقات بڑے نشیب و فراز سے گزرے ہیں۔ابتداء میں دونوں شخصیات کے مابین تعلقات دوستانہ تھے لیکن سیاست کے خارزار میں کئی ایسے مقامات بھی آئے جہاں ان کے خیالات میں تصادم تھا۔قائداعظم کے انتقال کے بعد ملکی سیاسی صورت حال افراتفری کا شکار ہوگئی۔مسلم لیگ پارٹی کمزور ہونے کی وجہ سے سروسز کے لوگوں کو اپنے مفادات اور اپنی خواہشات کو آگے بڑھانے کا موقع ملا۔

جہاں تک لیاقت علی خان اور غلام محمد کا تعلق ہے ان میں بنیادی فرق ان دونوں کی سیاسی تربیت اور رجحانات کا تھا۔ لیاقت علی خان بنیادی طور پر ایک سیاسی سوچ کے مالک تھے جو کہ تیس چالیس سال کی سیاسی تربیت کا نتیجہ تھا۔وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا تعلق زمیندار طبقہ سے تھا۔جبکہ غلام محمد ایک غریب گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور ان کی تمام تربیت محنت مشقت اور دفتری ماحول کا نتیجہ تھی۔غلام محمد اپنی قابلیت اور پیشہ ورانہ ایمانداری کے باعث لوگوں کے دلوں میں عزت کا مقام رکھتے تھے سرکاری ماحول اور تربیت کے باعث وہ اپنے آپ کو عوام کا حکمران سمجھتے تھے۔''عوام ان کی نگاہ میں الو کے پٹھے تھے''[۴۳] جبکہ لیاقت علی خان سیاست دان ہونے کے باعث اپنے آپ کو عوام کا خادم سمجھتے تھے۔عوام کی خدمت اور خوشحالی ان کا مطمعٔ نظر تھا۔عوام ہی ان کی طاقت کا سرچشمہ تھے۔پاکستان کی آئین سازی اور خارجہ پالیسی دونوں حضرات کے درمیان وجہ تنازعہ بنی۔ان کے نظریات میں اختلافات کا پہلا بڑا مظاہرہ آئین سازی کے مرحلہ میں رونما ہوا جبکہ لیاقت علی خان نے قراردادِ مقاصد کو پیش کرنا چاہا۔

غلام محمد قرارداد مقاصد کے سخت مخالف تھے اور اس مخالفت میں اتنی شدت اور تیزی پیدا ہوئی جس کی وجہ سے کابینہ میں بھی وفاداریاں تقسیم ہوگئیں اور مسلم لیگ پارٹی بھی دھڑوں کا شکار ہوگئی۔غلام محمد اور ان کے حمایتیوں کا موقف یہ تھا کہ قرارداد مقاصد نہ صرف جمہوری قدروں کی نفی کرتی ہے بلکہ اس کے نتیجہ میں قدامت پسندی، تنگ نظری اور ملائیت کو تقویت پہنچے گی جس کے نتیجے میں پاکستان جمہوریت کی پٹڑی سے اتر جائے گا اور ملک و معاشرہ ترقی نہیں کر سکے گا۔اس قرارداد کے بارے میں مسلم لیگ دو واضح گروپوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ایک گروپ وہ تھا جو کہتا تھا کہ اسلام کا صرف لبادہ پہنو اور ملک کو جدید مہذب جمہوری ریاست بناؤ۔مذہب کا زیادہ دخل نہ ہو۔لوگوں کو خواہ مخواہ اسلام اسلام کہہ کر نہ بھڑکاؤ۔دنیا کیا کہے گی اس زمانہ میں مذہب کے نام پر ریاست قائم کر رہے ہو، بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اسلام کے نام پر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ذبح نہ کرنے

لگے۔ بر خلاف اس کے دوسرا گروپ اُن حضرات پر مشتمل تھا، جو یہ کہتے تھے کہ اسلامی ریاست ہونی چاہیے۔ لوگ نمازیں پڑھیں، اللہ کے سامنے سجدہ کریں، اُن کے دل میں خوفِ خدا ہو۔"[۴۴]

بقول ڈاکٹر عمر حیات کے "غلام محمد صاحب اور ان کے ہمنوا اس قرارداد کے سخت مخالف تھے۔ ان حضرات نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ قرارداد کی مخالفت کریں گے مگر بعد میں لیاقت علی خان کے ساتھ یہ بات طے ہوئی کہ یہ قرارداد دستور کا حصہ نہیں ہوگی بلکہ آئین کے پری ایمبل (Preamble) میں شامل ہوگی۔ پری ایمبل میں جو چیز ہوتی ہے وہ قانون کا حصہ نہیں ہوتی ہے۔"[۴۵] اس طرح یہ بحران لیاقت علی خان کی صلح صفائی سے ٹل گیا۔

دوسرا گھمبیر مسئلہ جس نے تمام ریاستی ماحول کو مکدر کر دیا تھا وہ خارجہ پالیسی سے تعلق رکھتا تھا لیاقت علی خان شروع میں قطعی طور پر امریکہ کی طرف جھک گئے تھے اور پھر انہوں نے امریکہ کا کامیاب دورہ بھی کیا۔ "امریکہ سے قبل روس نے لیاقت علی خان کو دورہ کی دعوت دی تھی اور یہ بات یہاں تک ہو چکی تھی کہ انہوں نے (روسیوں نے) لیاقت علی خان کی شرائط بھی قبول کر لی تھیں۔ لیاقت علی خان نے شرط لگائی تھی کہ روس کی تمام کابینہ میری اُسی طرح پیشوائی کرے جس طرح پنڈت نہرو کی کی تھی۔ روسیوں نے یہ شرط بھی مان لی۔ فہرست بھی تیار ہو گئی لیکن امریکہ جا کر سیاست کا تمام رخ ہی بدل گیا اور اس تبدیلی میں چودھری محمد علی کا ہاتھ تھا۔ چودھری محمد علی مشیر تھے۔ لیاقت علی پر وہ چھائے ہوئے تھے۔ لیاقت علی روس کا دعوت نامہ قبول کر کے امریکہ چلے گئے اور وہاں جا کر کھلم کھلا روس پر حملے کئے۔ ان کی تمام سیاسی زندگی میں ہم کو ان کا یہ حصہ اتنا خراب معلوم ہوتا ہے، اتنا داغدار ہے کہ کوئی حد نہیں۔"[۴۶]

یہ زمانہ وہ تھا جبکہ غلام محمد اور وزیر اعظم کے مابین تعلقات بڑے دوستانہ تھے ایک دوسرے پر اتنا اعتماد تھا کہ "غلام محمد تنہا امریکہ جاتے ہیں اور وزیر اعظم لیاقت علی خان کے لئے دعوت نامہ حاصل کرتے ہیں"[۴۷] لیکن جون / جولائی ۱۹۵۱ء میں ہندوستان سے کشمیر کے مسئلہ پر کشیدگی ہوئی اور دونوں ملکوں میں تلخی اتنی بڑھی کہ جنگ کے بادل چھانے لگے۔ اس وقت لیاقت علی خان نے امریکہ سے مدد طلب کی جس پر امریکہ نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجہ میں لیاقت علی خان نے امریکہ سے مایوس ہو کر اپنی پالیسی کو بدلنے کا ارادہ کر لیا۔ ہمیں ان کے خیالات کے بدلنے کا پتہ ان کے آخری انٹرویو سے ملا ہے جو کہ انہوں نے اپنی موت سے چند ہفتوں قبل مسٹر سیسل براؤن (Cecil Browne) کو دیا تھا۔

Browne نے پوچھا "کیا آپ کو روسی حملہ کا خوف ہے" لیاقت علی خان نے فرمایا "نہیں"۔ "پاکستان اتنا چھوٹا ملک

ہے کہ روس کو ہم سے کوئی پریشانی لاحق نہیں فی الحال'۔ نیز اس انٹرویو میں لیاقت علی خان نے مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کے لئے ایک بلاک بنانے کے عزم کا عندیہ بھی دیا تھا۔[۴۸]

غرضیکہ لیاقت علی خان امریکہ سے دل برداشتہ ہو کر نئی پالیسی بنانے کا ارادہ کر چکے تھے۔ اس طرح نئی پالیسی کے لئے نئے نئے دوستوں اور نئے لوگوں کی ضرورت تھی۔ لہٰذا وہ تمام افراد جو امریکی لابی کے حمایتی تھے ان کی افادیت ختم ہو چکی تھی اور ان سے پیچھا چھڑانا ہی بہتر تھا۔ اسی اثناء میں غلام محمد ہندوستان کے دورہ پر تشریف لے گئے۔ بمبئی میں انہوں نے حکومت پاکستان کی پالیسی کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ ایم۔ بی۔ احمد نے جو کہ قانون ساز اسمبلی کے پہلے سیکرٹری تھے اور لیاقت علی خان کے قریب تھے، انہوں نے وزیر اعظم لیاقت علی خان سے کہا 'یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک وزیر مملکت اپنی ہی حکومت کی پالیسی کو غیر ملک میں جا کر تنقید کا نشانہ بنائے۔ اس کے خلاف کارروائی ہونی چاہیے۔ اس کو استعفیٰ دیدینا چاہیے۔ لہٰذا لیاقت علی خان نے غلام محمد سے کہا' وزارت چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ'۔ غلام محمد کے علاوہ وزیر اعظم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ گورمانی کو، خواجہ شہاب الدین کو، خان عبدالقیوم خان کو اور قربان علی خان کو سرخ جھنڈے دکھا دیں گے۔

بقول ایم۔ بی۔ احمد لیاقت علی خان نے غلام محمد اور گورمانی کو نکال دیا تھا لیکن لیاقت علی خان نے اس قدر بیوقوفی کی کہ نکال کر ان کو رکھے ہوئے تھے۔ دونوں کو پندرہ دنوں کا نوٹس دیدیا تھا۔[۴۹]

ایم۔ بی۔ احمد کے علاوہ ایک بڑے سیاسی کارکن تھے جن کا نام ملک ارشاد ہے۔ جو کہ پشاور کے رہنے والے تھے۔ لیاقت علی خان نے بقول ملک ارشاد، غلام محمد سے، گورمانی سے، سر ظفر اللہ خان سے کہہ دیا تھا کہ وہ اپنا بستر بوریا گول کریں نشتر سے کہا کہ تیار ہو جاؤ۔ خود وزارت خارجہ کا قلمدان رکھنے کا ارادہ تھا۔ نائب وزیر اعظم اور وزیر داخلہ سردار عبدالرب نشتر کو بنا رہے تھے۔ لیاقت علی خان کو قتل کرایا ہے۔ غلام محمد نے قتل کرایا ہے گورمانی نے اور قتل کرایا ہے قربان علی خان نے۔ صید اکبر کو قربانی کا بکرا بنایا۔[۵۰]

ملک ارشاد صاحب کے خیالات سے ملتے جلتے خیالات، یوسف خٹک کے ہیں، جو کہ پاکستان مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے اور لیاقت علی خان کے قریب تھے۔ ''یوسف خٹک نے لیاقت علی خان کے قتل کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ایک قتل تھا۔ لیاقت علی خان ان لوگوں کو حکومت سے باہر نکال رہے تھے۔ وہ بڑے پیمانہ پر کابینہ میں تبدیلیاں لانے والے تھے۔ شہاب الدین کو قاہرہ میں سفیر مقرر کر دیا تھا۔ قربان علی خان آئی جی پولیس بہت طاقتور آدمی تھا۔ ریٹائر ہونے والا تھا لیکن پاکستان میں کوئی ریٹائر نہیں ہونا چاہتا۔ گورمانی بھی متاثرین میں سے تھا۔ سردار بہادر بھی ہٹ لسٹ پر تھے۔''[۵۱]

غرضیکہ ان تمام سیاستدانوں اور سرکاری ملازمین نے جن کو لیاقت ان کے عہدوں سے سبکدوش کر رہے تھے اکٹھا ہو کر

وزیراعظم لیاقت علی کے قتل کا منصوبہ بنایا۔

(New Regime) نئی حکومت کا قیامت

جیسا کہ علم ہے کہ مشتاق احمد گورمانی جلسہ میں شریک نہیں تھے البتہ جس وقت وزیراعظم زخمی ہو چکے تھے اور پولیس کی فائرنگ ختم ہو چکی تھی اُس وقت گورمانی کمپنی باغ میں تشریف لائے۔ جونہی ان کی کار آ کر رکی تو مسلم لیگی کارکنوں نے ان کی کار کو گھیر لیا۔ گورمانی کے منھ سے بیساختہ یہ الفاظ نکلے ''کام ہو گیا''۔ جیسے کوئی شخص ہوا سے باتیں کر رہا ہو۔ عالمِ تعجب میں سید خالد گیلانی نے کہا ''پتہ نہیں، آپ کیا کہہ رہے ہیں، گولی لگ گئی ہے لیاقت علی خان شہید ہو گئے ہیں۔'' یہ سن کر گورمانی نے نہ کوئی اظہار افسوس کیا، نہ کار سے نیچے اترے اور نہ کچھ کہا، آگے چلے گئے۔[۵۲]

گورمانی کمبائنڈ ملٹری ہسپتال میں اس وقت تک موجود رہے جب تک کہ ڈاکٹر نے لیاقت علی خان کی موت کا اعلان نہیں کر دیا۔ ہسپتال سے سیدھے اپنی کوٹھی پر آئے جہاں پر غلام محمد ان کے منتظر بیٹھے تھے۔

سید امجد علی صاحب کا بیان ہے کہ مشتاق احمد گورمانی ان کے بچپن کے ہم جماعتی ہیں پانچویں کلاس تک وہ دونوں اکٹھے رہے۔ نیز غلام محمد سے بھی ان کے گہرے مراسم تھے۔ گورمانی نے سید امجد علی کو لیاقت علی خان کے قتل کے بعد نئی حکومت کی تشکیل کا پورا حال سنایا۔ گورمانی نے بتایا کہ جس وقت لیاقت علی خان کا قتل ہوا اس وقت گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین نتھیا گلی میں تھے وہ فوراً گورمانی ہاؤس میں پنڈی تشریف لائے۔ سردار عبدالرب نشتر جو کہ گورنر پنجاب تھے وہ لاہور سے گورمانی ہاؤس پہنچے۔ کراچی سے چودھری محمد علی اُڑ کر گورمانی ہاؤس پہنچے۔ اس طرح یہ تمام اہم ترین شخصیات گورمانی ہاؤس میں اکٹھے ہو گئے جو کہ ایک بہت بڑی کوٹھی تھی۔

گورمانی صاحب نے مجھے سنایا کہ میں نے اپنے ذہن میں فیصلہ کر لیا تھا کہ میں خواجہ ناظم الدین کو وزارت عظمٰی قبول کرنے کے لئے تجویز کرونگا۔ چنانچہ جس وقت یہ حضرات اکٹھے بیٹھے تھے تو اس وقت میں خواجہ صاحب کو الگ ایک کمرے میں لے گیا۔ میں نے ان سے کہا دیکھئے اس وقت بہت نازک مرحلہ ہے۔ ایک وزیراعظم قتل ہو گیا ہے۔ ہمیں فوراً حکومت تشکیل دینی چاہیے۔ آپ گورنری کا عہدہ چھوڑ دیں۔ آپ چونکہ گورنر جنرل ہیں اور یہ سب سے اونچا عہدہ ہے اس پر آپ متعین ہیں اگر آپ خود اس کو چھوڑ کر نیچے آئیں گے تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ کا تعلق سب سے بڑے صوبے سے ہے۔ آپ کے خود نیچے آنے سے آپ کے صوبے کے لوگوں کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

خواجہ صاحب کہنے لگے میں یہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے تین مرتبہ انکار کیا اور کہا کہ اس ذمہ داری کا بوجھ میں نہیں اٹھا سکتا ہوں۔

اس پر گورمانی صاحب نے کہا کہ آپ یہ بیڑہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں، یہ بوجھ تو آپ کو اٹھانا ہی پڑے گا۔
گورمانی کی یہ بات سن کر خواجہ صاحب نے اپنی گردن نیچے کی طرف جھکا دی۔ اس پر گورمانی نے خواجہ صاحب سے کہا اچھا آپ جب گورنر جنرل سے وزیر اعظم ہو گئے تو پھر گورنر جنرل کی جگہ خالی ہو گئی' تو کسی نے گورنر جنرل تو ہونا ہے۔ خواجہ صاحب بولے۔ ٹھیک ہے یہ بات۔ اس پر میں نے کہا کہ میں گورنر جنرل کے لئے غلام محمد کا نام تجویز کرتا ہوں۔
خواجہ صاحب بولے ٹھیک ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد گورمانی صاحب اور خواجہ ناظم الدین کمرے سے باہر تشریف لائے اور گورمانی نے ان حضرات کے سامنے اس فیصلہ کا اعلان کر دیا جو کہ خواجہ ناظم الدین اور گورمانی کے درمیان طے ہوا تھا۔ سب حاضرین نے اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا۔[۵۳]
نیز امجد علی صاحب نے یہ بات بھی بتائی کہ سنا ہے کہ لیاقت علی خان صاحب کی زندگی میں یہ فیصلہ ہو رہا تھا کہ گورمانی کی اور غلام محمد کی یہاں سے چھٹی کرو۔ ان میں سے ایک کو سفیر بنا کر بھیجنا چاہتے تھے دوسرے کا پتہ نہیں۔
غرضیکہ ۱۶، اکتوبر ۱۹۵۱ء کی رات کو جبکہ ابھی وزیر اعظم لیاقت علی خان کو دفن بھی نہیں کیا گیا تھا سول بیوروکریسی نے ایک ایسے دیو کو جنم دیا جس نے جمہوری روایات کو اور سیاسی قیادت کو ہڑپ کر لیا۔ جو مہیب دیو ۱۶، اکتوبر ۱۹۵۱ء کی رات کو گورمانی ہاؤس میں پیدا ہوا اس کے سائے آج تک ملک پر پھیلے ہوئے ہیں۔ لیاقت علی خان کا قتل دراصل اس کشمکش کا نتیجہ تھا کہ آیا ملک کا اقتدار سیاست دانوں کے ہاتھ میں ہو گا یا سروسز کے پاس، یہ جنگ آج بھی جاری ہے۔

حوالہ جات

۱- انٹرویو جناب سید خالد گیلانی، ایم۔ ایل۔ اے۔ ۲۵ جون ۱۹۸۱ء۔ یہ انٹرویو نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد کی تحویل میں موجود ہے۔
۲- سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور، ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء۔
۳- انٹرویو ایم۔ بی۔ احمد۔ یہ انٹرویو نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد کی تحویل میں ہے۔
۱- روزنامہ پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء۔
۵- نواب صدیق علی خاں "بے تیغ سپاہی" الائز بک کارپوریشن، کراچی ۱۹۷۱ء، ص ۴۸۱۔
۶- روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور، ۱۷، اکتوبر ۱۹۵۱ء۔
۷- روزنامہ پاکستان ٹائمز، ۱۷ اکتوبر ۱۹۵۱ء۔
۸- تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ، پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۸ اگست ۱۹۵۲ء۔

۹- تحقیقاتی رپورٹ، پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۹/اگست ۱۹۵۲ء۔

۱۰- ایضاً۔

۱۱- نواب صدیق علی خان، بحوالہ سابقہ، ص ص ۴۸۰، ۴۸۳۔

۱۲- دی پاکستان ٹائمز، لاہور، ۹ دسمبر ۱۹۵۱ء۔

۱۳- نواب صدیق علی خان، بحوالہ سابقہ، ص ۴۸۱۔

۱۴- پاکستان ٹائمز، لاہور، ۲ دسمبر ۱۹۵۱ء۔

۱۵- امیر اعظم کا بیان، پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۰ دسمبر ۱۹۵۱ء۔

۱۶- پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۵۲ء۔

۱۷- تحقیقاتی رپورٹ، دی ڈیلی پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۵۲ء۔

۱۸- دی پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۵۲ء۔

۱۹- تحقیقاتی کمیشن کے سامنے بہادر خان کا بیان۔

۲۰- بیان تحقیقاتی کمیشن کے سامنے، دی پاکستان ٹائمز، لاہور، یکم دسمبر ۱۹۵۱ء۔

۲۱- محمد شاہ کا بیان کمیشن کے سامنے، ۲ دسمبر ۱۹۵۱ء۔

۲۲- دلاور خان کا بیان کمیشن کے سامنے، پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۵۲ء۔

۲۳- پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۵۲ء۔

۲۴- پاکستان ٹائمز، لاہور، ۱۹ اگست ۱۹۵۲ء، تحقیقاتی رپورٹ سے اقتباس۔

۲۵- نواب صدیق علی خان، بحوالہ سابقہ، ص ۴۸۰۔

۲۶- ایضاً، ص ۴۸۳۔

۲۷- ایضاً، ص ۴۸۱۔

۲۸- ایضاً، ص ص ۴۸۰، ۴۸۲۔

۲۹- روزنامہ ڈان، کراچی، ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۱ء۔

۳۰- یہ انٹرویو نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد کی تحویل میں ہے۔

۳۱- بحوالہ تحقیقاتی رپورٹ۔

۳۲- سید محمد ذوالقرنین زیدی، قائداعظم کے رفقاء سے ملاقاتیں، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء، ص ص ۱۲۳-۱۲۲

۳۳- محمد ایوب خان، فرینڈز ناٹ ماسٹرز، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، لندن، ۱۹۶۷ء، ص ۴۱۔

۳۴- ایضاً، ص ص ۳۹-۴۹۔

۳۵- ایم۔ ایس۔ ون کنارامانی 'امریکن رول ان پاکستان' ون گارڈ بکس لمٹیڈ، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۵۷۔

۳۶- سید محمد ذوالقرنین زیدی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۰۔

۳۷- ایم۔ ایس۔ ون کنارامانی، بحوالہ سابقہ، ص ۴۳۷۔

۳۸- ایضاً، ص ۱۵۶۔

۳۹- ایم۔ ایس۔ ون کنارامانی، بحوالہ سابقہ، ص ۱۵۹۔

۴۰- محمد ایوب خان' بحوالہ سابقہ' ص ۴۰۔

۴۱- ایم۔ ایس، ون کنارامانی' بحوالہ سابقہ، ص ص ۱۶۴، ۱۶۰۔

۴۲- ایضاً، ص ۱۸۰۔

۴۳- سید محمد ذوالقرنین زیدی، بحوالہ سابقہ، ص ۴۷۔

۴۴- ایضاً، ص ۴۷-

۴۵- ایضاً، ص ۱۰۴۔

۴۶- ایضاً، ص ۱۳۰۔

۴۷- انٹرویو، سید امجد علی، ۱۹۹۴ء، لاہور۔

۴۸- روزنامہ پاکستان ٹائمز، لاہور، ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۱ء۔

۴۹- انٹرویو کا کیسٹ نیشنل آرکائیوز آف پاکستان میں ہے۔

۵۰- ملک ارشاد کا کیسٹ بھی نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد میں موجود ہے۔

۵۱- یوسف خٹک سے ملاقات، اس انٹرویو کا کیسٹ نیشنل آرکائیوز آف پاکستان میں موجود ہے۔

۵۲- سید خالد گیلانی کا انٹرویو نیشنل آرکائیوز آف پاکستان، اسلام آباد میں موجود ہے۔

۵۳- انٹرویو سید امجد علی صاحب کے ساتھ ۱۹۹۴ء، لاہور۔